قادیانی تفسیر میں گمراہانہ تحریفات

انگلینڈ میں مقیم ایک صاحب علم دوست نے قادیانی تفسیر (بیان القرآن تصنیف مولانا محمد علی) کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ ایک مرزائی صاحب اس تفسیر کی عظمت اور اہمیت بیان کرتے ہوئے یہ پروپیگنڈہ کررہے ہیں کہ یہ وہ اہم تفسیر ہے جس سے مولانا ابوالکلام آزاد جیسے مشہور مفسرِ قرآن نے استفادہ کیا ہے۔

یہ مرزائی صاحب انوار ابوالکلام کتاب میں شامل مقالہ از پروفیسر اختر اورینوی (قادیانی) کا حوالہ بھی دیتے ہیں۔

اس سلسلہ میں مولانا ابوسلمان شاہجہاں پوری (حال مقیم کراچی) نے بھی اس ناچیز کو اس طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھا تھا۔

اہم بات یہ تھی کہ پروفیسر اختر اورینوی (قادیانی) کے دعوے کی تردید کی جاتی، انھوں نے انوار ابوالکلام میں شامل مقالہ میں دعویٰ کیا ہے کہ وہ غلام احمد قادیانی کی تفسیر سے نہ صرف متأثر تھے بلکہ ترجمان القرآن کی تحقیقات میں اس سے استفادہ کیا ہے۔

اب صورت یہ ہے کہ مولانا آزاد کے قرآنی افکار و خدمات پر ایک اہم تصنیف آگئی اور مذکورہ دعوے کا رد نہیں کیا گیا۔ اب اگر کسی مقالہ میں ایسا کیا بھی گیا تو اخبار اور رسالے کون محفوظ رکھتا ہے؟

بہرحال آپ کی تصنیف پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ آپ نے مولانا کی بڑی اور ایسی عظیم الشان خدمت انجام دی ہے جو صرف آپ ہی انجام دے سکتے تھے۔

ابوسلمان شاہجہاں پوری ۱۹ر۵ر۱۹۸۸ء

مولانا موصوف پاکستان میں مولانا آزاد پر جو بے مثال تحقیقی کام انجام دے رہے ہیں وہ نہ صرف قابلِ قدر ہے بلکہ اس ماحول میں حیرت انگیز بھی ہے۔ اور یہ مولانا مرحوم کی روحانی اور علمی کرامت ہے جس نے شاہجہاں پوری صاحب کو اس کام کے لیے منتخب کرلیا ہے۔ شاہجہاں پوری صاحب کے اس تبصرہ کے بعد انگلینڈ کے تازہ مکتوب نے اس معاملہ کی اہمیت اور زیادہ کردی۔ اس لیے اس ناچیز نے قادیانی تفسیر کی تحریفات پر یہ سطریں تحریر کی ہیں۔

اس تفسیر پر مکمل تنقید کی ضرورت ہے۔ اس مضمون کے بعد امید ہے کہ دوسرے

اہلِ علم بھی اس پر توجہ کریں گے۔

دارالعلوم دیوبند نے قادیانیت کی تردید کے لئے باقاعدہ جدوجہد شروع کر رکھی ہے جو دارالعلوم کے مشن کا اہم حصہ ہے۔ اس مشن کے تعلق سے بھی اس موضوع پر قلم اٹھانا ضروری ہے۔

مولوی محمد علی قادیانی کی اردو تفسیر "بیان القرآن" سنہ ۱۹۲۲ء میں طبع ہو کر سامنے آئی۔ اس لئے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ تفسیر مولانا آزاد کے سامنے رہی ہوگی، کیوں کہ ترجمان القرآن کی ترتیب و طباعت کی داستان رانچی کی چار سالہ اسارت (۱۹۱۶ء تا ۱۹۱۹ء) سے شروع ہو کر سنہ ۱۹۳۰ء تک پہونچتی ہے۔

مولانا قید و بند کے ہنگامی دَور سے گذرتے رہے، مسودات ضبط ہوتے رہے اور کچھ ضائع ہوتے رہے اور مولانا پھر تکمیل میں مشغول ہو گئے۔ بالآخر ۲۰ جولائی سنہ ۱۹۳۰ء کو آخری سورت کی ترتیب سے فارغ ہو گئے۔ (ترجمان القرآن جلد اوّل ص۶)

یہ قادیانی تفسیر اپنے مباحث لغوی اور تاریخی تحقیق، زبان و بیان، کسی لحاظ سے بھی اپنے اندر ایسی ندرت اور انفرادیت نہیں رکھتی کہ مولانا آزاد جیسا علمی اَنا میں مستغرق عالم اپنے آپ کو اس سے استفادہ پر مجبور پاتا، جبکہ محمد علی صاحب اکثر مقامات پر موقعہ وبے موقعہ مرزا غلام احمد قادیانی کی مجددیت کا تذکرہ کر کے ایک سنجیدہ ذہن قاری کا موڈ خراب کر دیتے ہیں۔ اور قرآن کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ (سچے لوگوں کا ساتھ دو) کہتا ہے تو وہ مسلمانوں کو مرزا صاحب کی حمایت پر ابھارتے ہیں اور مخالفین مرزا پر غصہ کا اظہار کرتے ہیں اور کبھی ظلّی نبوت کی تشریح و تائید میں وقت ضائع کرتے ہیں (جلد دوم ص۱۰۱)

سورہ توبہ آیت ۱۱۱ کی تشریح کرتے ہوئے مرزا صاحب کی تعریف کو زبردستی عبارت میں داخل کیا ہے، لکھتے ہیں:

"اسی آیت قرآنی کا خلاصہ ہے جو اس صدی کے مجدد نے اپنے ساتھیوں سے یہ اقرار لیا ہے میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا۔" (جلد دوم ص۸۴۳)

سورہ انفال آیت ۵۹ کی تشریح میں مرزا صاحب کے الہام کا تذکرہ کرتے ہیں:

"چنانچہ اس صدی کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کو آج سے کوئی چالیس سال پیشتر یہ الہام ہوا۔ "بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید وپائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد۔" (جلد دوم ص۸۲۳)

عربی زبان کی اہمیت بیان کرتے ہوئے سورہ یوسف کی آیت ۲ کے تحت مرزائے قادیانی

کا نام کس طرح ٹھونسا ہے؟ لکھتے ہیں:

"عربی کے ام الالسنہ ہونے پر مفصل بحث کے لئے دیکھو کتاب ام الالسنہ جو خواجہ کمال الدین کی تصنیف ہے اور اس کی طرف اس زمانہ میں توجہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی نے دلائی ہے" (صفحہ ۹۶۸)

اس ٹھونسا ٹھونسی سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف کا اصلی مقصد قرآن کی تشریح و توضیح نہیں بلکہ مرزائے قادیانی کے مجدد اور مصلح ہونے کا پروپیگنڈہ کرنا ہے۔

مذہبی اختلافات کے باب میں مولانا آزاد کی روش احتیاط و اعتدال پر چلتی رہی ہے۔ مولویانہ مناظرہ بازی کی روش اور ایک دوسرے کی تکفیر کے انتہا پسندانہ رویہ سے مولانا ہمیشہ بیزار رہے۔ اس کے باوجود مولانا نے مرزا غلام احمد قادیانی کے عقائد و نظریات اور ان کی تاویلات کی غلطیوں کو دوسرے علماء حق سے کچھ زیادہ ہی وثوق و رسوخ کے ساتھ واضح کیا ہے۔ ذکرِ آزاد میں مولانا عبدالرزاق صاحب مرزا غلام احمد کے متعلق مولانا کے خیالات نقل کرتے ہیں:

"مجھے جہاں تک ان لوگوں کی کتابیں دیکھنے اور ان کی زبانی ان کے عقائد سننے کا اتفاق ہوا ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ گو ان کی تاویلات باطلہ سے ہمارے نزدیک قریب قریب انکار لازم آجاتا ہو لیکن انھیں ان کے التزام منطوق سے انکار رہے البتہ وہ تاویلات کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک وہ تمام تاویلات باطل ہیں اور بدع و ضلالات پر مبنی ہیں" (صفحہ ۱۶۵)

ترجمان القرآن کی ترتیب میں مولانا کے سامنے عربی کی قدیم و جدید تفاسیر اور اکابر علم کے فارسی اور اردو تراجم رہے ہیں۔ تاریخ کی تمام انگریزی اور اردو تاریخیں پیش نظر معلوم ہوتی ہیں۔ اور مولانا کا خداداد ذہن و فہم اور قرآنی ذوق بھرپور رہنمائی کرتا نظر آتا ہے۔ اس لئے مولانا کی وسعت نظر، ذوقِ مطالعہ اور علمی خودداری اور تفاسیر قرآن کے عربی ماخذوں سے بے خبر انسان ہی یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ مولانا آزاد نے قادیانی تفسیر سے استفادہ کیا اور قادیانی اجتہادات کو قبول کیا۔

صرف ذوالقرنین کی تاریخی تحقیق میں قدیم نظریات سے ہٹ کر فارس کے حکمراں کی طرف جانے کے معاملہ کو دیکھ کر ایسی رائے قائم کرنا نہایت سطحی تاثر ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ بائیبل کے اشارہ سے دونوں مصنفوں کا ذہن اس طرف منتقل ہوا۔ مگر محمد علی صاحب ذوالقرنین کے قرآنی اوصاف کا ٹھیک ٹھیک مصداق و محل متعین کرنے میں بالکل

ناکام رہے۔ اور سرسری طور پر فارسی حکمراں دارائے اول کو ذوالقرنین قرار دیدیا۔ بائیبل نے دانیال نبی کے خواب کی تعبیر بتاتے ہوئے کہا تھا " وہ مینڈھا جسے تونے دیکھا کہ اس کے دو سینگ ہیں سو وہ فارس کے بادشاہ ہیں (دانیال نبی ۲۰۸)

اس اشارہ کی روشنی میں قرآنی اشارات کے مطابق فارس کے بادشاہوں میں سے کسی بادشاہ کا تعین کرنا محقق کا اصلی کام تھا، جسے مولانا آزاد کے تحقیقی مطالعہ مزاج نے انجام دیا اور تیس صفحات کی مفصل بحث و نظر میں ثابت کیا۔ قرآن کا ذوالقرنین سائرس ہے جو دارائے اول کا پوتا ہے۔ یہ تحقیق و بحث ایسی تشفی بخش اور فیصلہ کن ثابت ہوئی کہ بعد میں آنے والوں کے لئے اسے تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔

بعض جزوی بحثوں میں دو مصنفوں کے درمیان اگر فکری وحدت پائی جاتی ہے اور قرآن کریم کی تفسیر جیسے وسیع موضوع اور میدان میں ایسی وحدت یقینی ہے تو اس اشتراک واتفاق کے معنی یہ نہیں ہوسکتے کہ اسے استفادہ کا نام دیا جائے اور بعد والے کو پہلے والے کا مقلد سمجھا جائے۔

ہم چند مثالوں پر غور کیجئے۔

سجدۂ تعظیمی

حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے بیٹوں کے سجدہ کو محمد علی صاحب خدا کے لئے سجدۂ تشکر قرار دیتے ہیں اور " خروا لہ سجدا "، کا ترجمہ کرتے ہیں" اور وہ اس کی خاطر سجدہ میں گر گئے "

مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی بھی اسی توجیہ کی طرف گئے۔ اور ترجمہ کیا " اور سب اس کے آگے بے اختیار سجدہ میں جھک گئے " (تفہیم ص ۳۹۶)

مولانا آزاد نے جمہور مفسرین کی توجیہ اختیار کی اور اس سجدہ کو سجدۂ تعظیمی قرار دیا اور یہ لکھا کہ دنیا میں قدیم سے یہ دستور چلا آرہا ہے کہ حکمرانوں اور پیشواؤں کے آگے سجدہ کرتے ہیں۔ آگے لکھا۔ لیکن اسلام نے توحید کے اعتقاد اور عمل کا جو اعلیٰ معیار قائم کیا وہ اس طرح کے رسوم کا متحمل نہیں۔ اسلام کہتا ہے کہ ہر جھکاؤ، ہر خمیدگی، ہر رکوع جو کسی قامت پر طاری ہوسکتا ہے وہ اللہ ہی کے لئے ہے (ترجمان دوم ص ۲۴۶)

مولانا مودودی صاحب نے سجدہ تحیۃ کی تردید میں جو زوردار بحث کی ہے کیا اس کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ مودودی صاحب نے محمد علی صاحب کی تفسیر سے استفادہ کیا ہے۔ کیونکہ محمد علی صاحب نے بھی اپنی توجیہ کو پُر زور دلائل سے ثابت کیا ہے۔

غزوۂ بدر غزوۂ بدر کے موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابوسفیان کے تجارتی قافلے کے لئے مدینہ سے نکلے یا قریش کے حملہ آور لشکر سے مقابلہ کرنے کے لئے نکلے۔ یہ اختلافی بحث ہے۔ محمد علی صاحب نے دوسری توجیہ اختیار کی ہے اور اس پر قرآن کریم کی داخلی شہادت کے طور پر مختلف آیات نقل کی ہیں اور اس تاویل میں وہ مولانا شبلی کے مقلد ہیں۔ پھر یہی توجیہ مولانا آزاد اور مولانا مودودی نے اختیار کی ہے۔ لیکن کیا یہ محمد علی صاحب کی پیروی ہے۔

اصل میں مولانا شبلی نعمانی نے سیرۃ النبی جلد اول تالیف (۱۹۱۱ء) میں اسی توجیہ پر زور دیا ہے اور انھیں کی تحقیق مولانا آزاد اور مولانا مودودی کے نزدیک صحیح ہے۔

دوسرے تمام مفسرین نے تجارتی قافلہ پر حملہ کی بات کو قرآن کریم کی صحیح مراد ثابت کرنے اور مولانا شبلی کی تردید پر دلائل دے کر اپنا دعویٰ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ (دیکھو سیرۃ المصطفیٰ مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی تالیف ۱۹۳۹ء)

اولادِ یعقوب اور نظرِ بد برادرانِ یوسف کو حضرت یعقوبؑ نے پدرانہ شفقت کے سبب یہ نصیحت فرمائی کہ مصر کے اندر ایک دروازہ سے داخل نہ ہونا۔ اس احتیاطی نصیحت کی وجہ کیا تھی؟ عام طور پر مفسرین نے نظرِ بد لگنے کے اندیشہ کی طرف اسے منسوب کیا ہے۔

مولانا آزاد نے اس احتیاط کا تعلق سیاسی مصلحت سے قائم کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے جاسوسی کے الزام سے بچانے کے لئے یہ تدبیر بتائی۔ مولانا کے سامنے قدیم مفسرین کے اقوال میں سے ایک قول ہے جسے علامہ بغدادی نے روح المعانی میں نقل کیا ہے۔ اور اسی کے ساتھ بائیبل کی ایک روایت ہے۔ (تفصیل کے لئے اس بحث کا مستقل عنوان دیکھو۔)

اردو مصنفین میں مولوی محمد علی صاحب اس توجیہ کو اختیار کر چکے تھے اور انکا استدلال بائیبل کی روایت ہی پر مبنی ہے۔

پھر مولانا آزاد کے بعد مولانا مودودی صاحب نے بھی تعبیر کے معمولی فرق کے ساتھ اسی توجیہ کو اختیار کیا ہے۔

لیکن اس جزدی وحدتِ فکر کو استفادہ اور تقلید کا نام دینا اگلے مصنف کیساتھ کورانہ عقیدت مندی کا مظاہرہ ہے علمی تحقیق کا مظاہرہ نہیں۔

ترجمان القرآن کو غور و فکر کے ساتھ پڑھنے والا اس بات کو اچھی طرح سمجھتا ہے کہ تفسیر کے جتنے اہم مقامات ہیں ان کی تحقیق میں مولانا اپنی علمی انفرادیت قائم رکھتے ہیں، البتہ متقدمین علماء میں سے کسی نہ کسی کا قول وا ثر مولانا کے سامنے ضرور ہوتا ہے۔ اِلّا ماشاء اللہ کہیں کہیں مولانا پر قرآن کریم کی داخلی شہادت اور سیاق و سباق کی مناسبت کا القاء ہو جاتا ہے اور مولانا اس تحقیق و اجتہاد میں منفرد نظر آتے ہیں۔

خواتینِ مصر کا مکر

مثال کے طور پر دیکھئے کہ خواتینِ مصر کے ہاتھ کاٹنے کے فعل کو بعض علماء نے فعل اختیاری کہا ہے اور بعض نے فعلِ اضطراری۔ محمد علی صاحب قادیانی نے ان دونوں میں سے کسی ایک قول کو ترجیح نہیں دی، دونوں قول نقل کر دیئے۔ اور مولانا آزاد رحمہ نے فعل اختیاری قرار دیا اور اسے مصری خواتین کا مکر و فریب اور تریا چلتر کہا اور دلیل میں قرآن کی داخلی شہادت پیش کی۔

محمد علی صاحب کے یہاں وہ وثوق و پختگی نہیں جو مولانا آزاد کے یہاں نظر آتی ہے پھر اسے استفادہ و تاثر کا نام کیسے دیا جائے؟ (دیکھو بیان القرآن جلد دوم ص۹۸)

مولانا آزاد نے ترجمان القرآن میں وحی اصطلاحی اور وحی لغوی کے درمیان مختلف مقامات پر جو لطیف بحث کی ہے اور ہر قسم کے مغالطہ کو دُور کیا ہے۔ اس کے مقابلہ میں قادیانی تفسیر کی تحریفات ملاحظہ ہوں۔

غیر نبی کی وحی

فرعون کے قتل سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بچانے کے لئے خدا تعالیٰ نے ان کی والدہ (یوخا) کے دل میں بات ڈالی کہ اس بچہ کو صندوق میں رکھ کر دریا کے اندر ڈال دو۔ قرآن کریم نے کہا اذ اوحینا الی امك ما یوحیٰ (طٰہٰ ۳۸) اس وقت کو اے موسیٰ! یاد کرو جب ہم نے تمہاری ماں کے دل میں وہ بات ڈالی جو اس وقت ڈالنی چاہیئے تھی کہ اس بچہ کو دریا میں ڈال دے۔

جمہور علماء کے نزدیک یہاں وحی کا لفظ لغوی مفہوم (اشارہ کرنا) میں استعمال ہوا ہے۔ وحی کا شرعی اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ خدا کے نبی و رسول کی طرف خدا کے احکام شریعت کا نازل ہونا تاکہ وہ ان کی تبلیغ و تعلیم کا فرض انجام دے۔

غیر نبی (ولی) کے دل میں خدا کی طرف سے جو بات ڈالی جاتی ہے علماء کے نزدیک اسے الہام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

قرآن نے وحی کے لفظ کو لغوی مفہوم میں شہد کی مکھی کی فطری ہدایت کے لئے بھی استعمال کیا ہے۔ واوحیٰ ربك الی النحل (النحل ۶۸) تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈالی کہ پہاڑوں میں گھر بنا۔

مولوی محمد علی نے دونوں جگہ وحی کا ترجمہ وحی کے لفظ سے کیا ہے۔ شہد کی مکھی کے معاملہ میں تو وہ مجبور تھے اس لئے تشریح کے اندر لکھا:

"گویہ وحی اور رنگ کی ہے، شہد کی مکھی علم حاصل نہیں کرتی بلکہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اس کی فطرت میں رکھ دیا ہے اس کے مطابق مختلف پھلوں سے شیرینی حاصل کر کے ایک جگہ جمع کرتی ہے۔" (جلد دوم ۱۰۸۵)

لیکن ام موسیٰ کی وحی میں وہ اپنے قادیانی فکر کی تائید کرتے ہوئے یہ لکھتے ہیں:-

"اس سے معلوم ہوا کہ وحی الٰہی غیر نبی کو بھی ایسی ہی یقینی ہو سکتی ہے جیسے نبی کو۔ اگر حضرت موسیٰ کی والدہ کو اس وحی کے من جانب اللہ ہونے کا یقین کامل نہ ہوتا تو وہ اپنے بچہ کو دریا میں نہ ڈالتیں۔" (۱۲۳۶)

ایک نبی کو اپنی وحی پر جیسا یقین واعتماد ہوتا ہے کسی غیر نبی کو اپنے قلبی القاء و الہام پر ویسا یقین نہیں ہوتا۔ اگر موسیٰ کی ماں کو ویسا ہی یقین ہوتا تو وہ اس راز کو افشاء کرنے کے لئے بے تاب نہ ہوتیں۔ قرآن کریم نے بتایا۔ واصبح فواد ام موسیٰ فارغاً ان کادت لتبدی بہ لولا ان ربطنا علیٰ قلبھا لتکون من المومنین (قصص ۱۰) موسیٰ کی ماں نے بچہ کو دریا میں ڈال تو دیا لیکن ماما کی بے چینی کے سبب اس کا دل صبر سے خالی ہو گیا اور قریب تھا کہ وہ اس راز کو ظاہر کر دیتیں اگر ہم نے ان کے دل سے رابطہ اور خاص رشتہ قائم نہ کیا ہوتا۔ تاکہ وہ یقین واعتماد کرنے والوں میں سے ہو جائے۔

قرآن کریم نے ام موسیٰ کی یہ کیفیت قلبی اسی لئے بیان کی تاکہ یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ غیر نبی کا القاء و الہام (خواہ وہ خواب کی حالت میں ہو یا بیداری کی حالت میں) یقین کا درجہ نہیں رکھتا بلکہ ظن و خیال کا درجہ رکھتا ہے۔

چونکہ مرزا غلام احمد کے خیالی توہمات کو یقینی وحی کی حیثیت دیئے بغیر انکی نبوت اور مجددیت کا عقیدہ قائم نہیں ہو سکتا۔ اس لئے محمد علی صاحب نے اپنی طرف سے اُمِّ موسیٰ کے القاء کو وحی الٰہی ثابت کرنے کی کوشش کی، کیونکہ اُمِّ موسیٰ غیر نبی تھیں۔

کشف اور الہام چونکہ تصوف کی اصطلاحیں ہیں اس لئے اکابر صوفیاء نے علم کے ان

ذرائع کو ظنی قرار دیا ہے، یقینی قرار نہیں دیا۔ اور اس مسئلہ میں انہی حضرات کا قول معتبر ہے۔ امام عبدالوہاب شعرانی نے کتاب الیواقیت والجواہر اہل استدلال اور اہل کشف کے نظریات میں تطبیق دینے کے لئے ۹۵۵ھ میں تالیف فرمائی۔ اور اس میں صوفیاء کے ترجمان کی حیثیت سے محی الدین ابن عربی قدس سرہ کی کتاب فتوحات مکیہ کو سامنے رکھا۔

امام شعرانی سورہ حشر آیت ما آتاکم الرسول فخذوہ الخ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(ترجمہ) پیغمبر کی باتوں (وحی) کو قبول کرنا علی الاطلاق واجب ہے اور الہام جو بغیر واسطہ نبی کے براہ راست خدا سے حاصل ہو اس کے قبول کرنے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ دلیل شرعی کے مطابق ہو۔ وجہ یہ ہے کہ نبی معصوم ہوتا ہے اور اس کا منصب ہی کلام الٰہی کا پہونچانا ہے، لوگوں کو شبہ میں ڈالنا اس کا کام نہیں ہے، بخلاف ولی کے۔ ولی الہام کے نام پر تلبیس شیطانی میں مبتلا ہو سکتا ہے، ہم پیغمبر کی طرف سے کسی مکر میں نہیں پڑ سکتے، ہاں خدا کی طرف سے ہمارا امتحان ہو سکتا ہے۔ خدا نے ارشاد فرمایا: ومکروا مکرا ومکرنا مکرا وھم لا یشعرون (النمل ۵۰) انہوں نے ایک تدبیر کی اور ہم نے بھی ان کی تدبیر کے توڑ کے لئے ایک تدبیر کی اور وہ بے خبر رہے۔

یہ صفت پیغمبر کے لئے جائز نہیں۔ پس جو شخص سلامت رہنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ میزان شریعت کو ہاتھ سے نہ چھوڑے اور جو اسے براہ راست (بطور الہام) خدا کی طرف سے ملے اسے شریعت کی میزان میں رکھ کر تولے۔ اگر پورا اترے تو قبول کرے ورنہ اسے رد کر دے (الیواقیت ص۱۹۵)

ہم نے اوپر ادب کی رعایت سے مولانا تھانویؒ کا ترجمہ لکھا ہے اور مکر کا ترجمہ تدبیر کیا ہے، ورنہ اوپر والوں میں شاہ ولی اللہؒ نے بدسگالی، شاہ رفیع الدین نے مکر کا ترجمہ مکر اور شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے مکر کا ترجمہ فریب کیا ہے۔

تصوف کی سب سے زیادہ قدیم و معتبر کتاب "منازل السائرین" ہے جو شیخ الاسلام ابو اسماعیل ہروی (وفات ۴۸۱ھ) کی تصنیف ہے اور اس کی مستند شرح مدارج السالکین ہے جو علامہ ابن تیمیہ کے شاگرد رشید علامہ ابن قیم نے لکھی ہے۔ اس شرح میں علامہ نے علم لدنی کی تعریف میں لکھا ہے:

"علم لدنی وہ علم ہے جو بغیر واسطہ نبی صرف الہام الٰہی سے براہ راست حاصل ہوتا ہے"

جیسے حضرت خضر کا علم جو حضرت موسیٰ کے واسطے کے بغیر حاصل ہوا تھا۔

یہ علم ثمرہ ہے عبودیت، اتباعِ رسالت، صدق و اخلاص کا اور اس جد و جہد کا جو مشکوٰۃِ رسول یعنی کتاب و سُنّت سے علم حاصل کرنے کے لیے کی جاتی ہے۔

پھر لکھتے ہیں:

"جو شخص حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کے قصّہ سے یہ سمجھتا ہے کہ علم لدنی کے ہوتے ہوئے علمِ وحی کی ضرورت نہیں رہتی وہ اسلام سے خارج اور واجبُ القتل (یعنی مرتد) ہے۔

(مدارج جلد دوم ص۲۴۳)

اوپر امام شعرانی نے الہام الٰہی کے بارے میں یہ بڑی لطیف اور حقیقت افروز بات کہی ہے کہ کبھی الہام میں خداوندی ابتلاء کا پہلو بھی پوشیدہ ہوتا ہے، اسے ہم آزمائشی الہام کہہ سکتے ہیں۔

الہامِ الٰہی کی اس قسم کو سامنے رکھ کر حضراتِ صوفیہ کے ایک نہایت متنازع نظریہ کی معقول توجیہ کی جاسکتی ہے۔

حضرت امام شاہ ولی اللہ رح نے فیوض الحرمین میں "تحقیق شریف" کے نام سے صوفیہ کا ایک حال ان لفظوں میں بیان کیا ہے۔

ان الاولیاء کثیرًا مَا یلهمون بانّ اللهَ تعالیٰ اسقط عنهم التکلیف و اندهٗ خیرهم فی الطّاعات ان شاؤا فعلوهَا وان لم یشاؤا لم یفعلوها۔

(فیوض مطبع احمدی ص۲۳)

اس کے بعد شاہ صاحب نے اپنے والد شاہ عبدالرحیم اور اپنے چچا شاہ ابوالرضاء کے متعلق لکھا ہے کہ ان پر بھی اس قسم کا الہام ہوا مگر ان کے والد نے اس کے جواب میں خدا سے دعا کی کہ مجھ پر شرعی تکلیف قائم رہے۔ اور ان کا مسلک یہ تھا کہ کسی عاقل بالغ سے شرعی تکلیف ساقط نہیں ہوتی۔ اور شاہ ابوالرضاء نے جواب دیا کہ الٰہی! تو نے جنت دینے اور دوزخ سے محفوظ رکھنے کا وعدہ فرمایا، یہ تیرا احسانِ عظیم ہے۔ مگر میری عبادت ہر غرض سے پاک ہے، جو ہر حال میں جاری رہے گی۔

مطلب یہ کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اپنے مقرب بندوں کی آزمائش کے لیے ان پر یہ الہام ہوتا تھا کہ انھیں اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ شریعت کی پابندی کریں یا نہ کریں۔ اور وہ مقربینِ حق اس امتحان میں کامیاب ہو جاتے تھے اور اتباعِ شریعت پر قائم رہنے کی

خدا تعالیٰ سے درخواست کرتے تھے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے اس بحث میں اپنی طرف سے یہ توجیہ کی ہے کہ سقوطِ تکلیف میں تکلیف بمعنیٰ مشقت ہے نہ کہ بمعنیٰ ذمہ داری اور فرضیت۔ مطلب یہ کہ اولیاءِ حق کے لیئے عبادت عادت بن جاتی ہے اور جس طرح انسان اپنی فطری ضروریات بلا تکلف انجام دیتا ہے اسی طرح اسے نماز روزہ میں زحمت کی بجائے رحمت محسوس ہوتی ہے۔

مولانا امین احسن صاحب اصلاحی نے اپنی مشہور کتاب تزکیۂ نفس میں الہامی علوم اور کشفی ادراک پر جو اعتراضات کیئے ہیں اور فیوض الحرمین کی مذکورہ عبارت کو مثال میں پیش کیا ہے ان اعتراضات میں مذکورہ تشریح کے بعد کوئی وزن باقی نہیں رہتا۔ (بحث کا یہ موقع و محل نہیں)

قادیانی تفسیر کی باطل تاویلات

محمد علی صاحب کی قادیانی تفسیر میں تحقیق کا جو پست معیار نظر آتا ہے جس میں انھوں نے قرآنی الفاظ، روایاتِ حدیث اور آثارِ صحابہ کو نظرانداز کر کے اپنی تفسیر کو تفسیر بالرائے (بلکہ تحریف) بنا کر رکھدیا ہے، اس کی چند مثالیں پیش ہیں۔

شاہی پیمانہ اور بن یامین

(۱) حضرت یوسف کے بھائی بن یامین کے سامان میں شاہی پیالہ رکھنے کا واقعہ مختلف فیہ ہے۔ محمد علی صاحب کی توجیہ یہ ہے کہ بن یامین کے سوتیلے بھائیوں نے یہ شرارت کی اور بن یامین کو چوری کے الزام میں پھنسوانے کے لیئے انھوں نے یہ حرکت اختیار کی۔

جمہور علماء اس فعل کو حضرت یوسف کی طرف منسوب کرتے ہیں اور مولانا آزاد بھی جمہور کا ساتھ دیتے ہیں اور لکھتے ہیں:

"اور اس غرض سے کہ اپنی ایک نشانی اسے دیدیں، اس کے سامان میں اپنا چاندی کا پیالہ رکھدیا۔"

آگے لکھتے ہیں کہ بن یامین کے سامان میں سے پیالہ برآمد ہونے کے بعد:

"جب حضرت یوسف نے یہ معاملہ سُنا تو سمجھ گئے کہ اس حادثہ میں خدا کا ہاتھ کام کر رہا ہے۔"

محمد علی صاحب نے اس معاملہ میں حضرت یوسف کے تقدس پر لمبی چوڑی بحث کر کے اپنی تاویل کو درست ثابت کرنے کی کوشش کی ہے مگر قرآنی الفاظ اس کے متحمل نہیں۔

مولانا آزاد نے اس کی پابندی کی۔

محمد علی صاحب حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی جاتے رہنے کے قائل نہیں اور فَارْتَدَّ بَصِیْرًا کے معنیٰ لکھتے ہیں۔ "تو وہ یقین کرنے والا ہوا"

حالانکہ جمہور ترجمہ کرتے ہیں۔ "اس کی بینائی لوٹ آئی۔" یعنی حضرت یوسف کے کُرتے سے اس کی آنکھیں پھر سے روشن ہوگئیں۔ (ترجمان)

حضرت یعقوب علیہ السلام کا گریہ

(۲) محمد علی صاحب نے غم فرزند میں حضرت یعقوب کے اس قدر رونے دھونے کو کہ آنکھیں سفید پڑ جائیں۔ ایک رسول کے مقام سے فروتر ثابت کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ مگر وہ سب تاویل بعید ہے۔

اور بصیر کو بصیرت سے لینا جمہور مفسرین کے خلاف ہے جمہور بصارت سے لیتے ہیں۔ مولانا آزاد بھی اسی طرف گئے ہیں۔

۳۔ ناسخ و منسوخ

محمد علی قادیانی آیات قرآنی میں ناسخ و منسوخ کے بالکل قائل نہیں جو معتزلہ کا مسلک ہے۔ چنانچہ سورہ نحل آیت (۱۰۱) واذا بدلنا آیۃ مکان آیۃ الخ کا ترجمہ کرتے ہیں۔ "اور جب ہم ایک پیغام کی جگہ دوسرا پیغام بھیجتے ہیں"

مولانا آزاد نسخ آیات کے قائل ہیں، وہ یہ ترجمہ کرتے ہیں "اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت نازل کرتے ہیں۔" (جلد دوم ۳۳۴)

۴۔ حضرت لوط علیہ السلام کا سہارا

مولانا آزاد بلا وجہ سب سے الگ چلنے کا شوق نہیں رکھتے، بلکہ جمہور علماء کے ساتھ رہتے ہیں۔ اور محمد علی صاحب میں الگ چلنے کا شوق نظر آتا ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام کا قول ہے۔

قال لو ان لی بکم قوۃ او اوی الی رکن شدید (ھود ۸۰)

کاش تمہارے مقابلہ کی مجھے طاقت ہوتی یا کوئی سہارا ہوتا جس کا آسرا پکڑ سکتا۔

یہ مولانا آزاد کا ترجمہ ہے اور جمہور علماء کے ترجمہ کے مطابق ہے۔ اس ترجمہ میں "رکن شدید" سے کوئی معاون اور مددگار مراد ہے جو دشمنوں کے مقابلہ میں حضرت لوط کا ساتھ دیتا۔

تفسیر کا ایک قول یہ ہے کہ اَوْ، بَلْ کے معنیٰ میں ہے اور رکن شدید سے خدا کی ذات مراد ہے اور مفہوم یہ ہے کہ۔ بلکہ میں خدا کی پناہ میں آتا ہوں۔

جمہور نے اَوْ کو اپنے اصل معنیٰ (عطف) پر ہی رکھا ہے۔ اس مفہوم میں اس بات کی

طرف اشارہ ہے کہ حضرت لوط ایک غیر قوم (بنی سدوم) میں نبی بنا کر بھیجے گئے تھے. اس قوم میں آپ کا کوئی رفیق و معاون نہ نکلا بلکہ آپ کی بیوی تک گمراہوں کے ساتھ رہی اور عذاب میں گرفتار ہوگئی.

عالم اسباب میں ہر نبی کو معاونوں کی ضرورت پڑتی ہے، حضرت عیسیٰؑ نے کہا تھا مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللہِ. اللہ کے کاموں میں میرا مددگار کون ہے؟ حضرت لوط کے اس حسرتناک فقرہ کا یہی مفہوم ہے.

مولانا حفظ الرحمان نے قصص القرآن میں محمد علی صاحب کی توجیہ کو ترجیح دی ہے اور بخاری شریف کی مشہور حدیث سے استدلال کیا ہے (جیسا کہ محمد علی صاحب نے کیا ہے) لیکن اس حدیث کا مطلب وہی صحیح ہے جو علامہ شبیر احمد عثمانی نے لکھا ہے. صاحب قصص کو سہو ہوگیا ہے. مولانا لکھتے ہیں:

"حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا. یرحم اللہ لوطاً لقد کان یاوی الی رکن شدید. خدا لوط پر رحم کرے. بے شک وہ مضبوط و مستحکم پناہ حاصل کر رہے تھے یعنی خداوند قدوس کی، مگر اس وقت سخت گھبراہٹ اور بے حد ضیق کی وجہ سے ادھر خیال نہ گیا، بے ساختہ ظاہری اسباب پر نظر گئی حضرت لوط علیہ السلام کے بعد جو انبیاء مبعوث ہوئے وہ سب بڑے جتھے اور قبیلے والے تھے (حمائل ۲۹۸)

۵ معراج روحانی تھی

محمد علی صاحب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کے جسمانی ہونے کے قائل نہیں ہیں بلکہ اسے معراج روحانی مانتے ہیں (جلد دوم ۱۱۱۰) اور مولانا آزاد نے حضرت شاہ ولی اللہ رہ کے حکیمانہ نظریات کی روشنی میں اس مسئلہ کو بڑی خوبی سے حل کیا ہے. اور لکھا ہے کہ صحابہ کرام کے دونوں گروہ حق پر تھے، جو حضرات معراج کے جسمانی ہونے کے منکر تھے ان کا مطلب یہ تھا کہ یہ واقعہ مادی جسم کی نقل و حرکت جیسا نہیں تھا. اور جو حضرات اسے روحانی مانتے ہیں ان کے نزدیک یہ محض خواب کا واقعہ نہیں تھا. لکھتے ہیں:

"اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ کو نہ تو ایسا معاملہ قرار دے سکتے ہیں جیسا ہمیں جاگتے میں پیش آتا ہے. نہ ایسا جیسا سوتے میں دیکھا کرتے ہیں، وہ ان دونوں حالتوں سے ایک مختلف قسم کی حالت تھی اور ہماری تعبیرات میں اس کے لئے کوئی

(بقیہ ص ۱۷ پر دیکھیں)